کر کے جنت حاصل نہیں کرتا (بخاری) گویا جس وقت عورت بوڑھی ہو، اہل مغرب کے معاشرہ میں اہل ناکارہ اور ناقابلِ التفات چیز ہوتی ہے، اس وقت اسلام اسے وہ مقام عطا کرتا ہے جو معاشرہ میں بلند تر ہوتا ہے۔

# ۵۔ طلبِ امارت اور اس کی آرزو

ہم "خلافت ابوبکرؓ کا پس منظر" کے عنوان کے تحت "امتناع طلب امارت" کی سرخی میں متعدد مستند احادیث درج کر آئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امارت طلب کرنے والوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ "خدا کی قسم ہم ایسے لوگوں کو کرسی نہیں دیتے جو اس کو طلب کرتے ہیں۔" آپ نے اس کی آرزو رکھنے والوں کی بھی مذمت فرمائی ہے۔

اس کی کئی وجوہ آپ نے بیان فرمائی ہیں مثلاً:۔

پہلی یہ کہ "انسان کی دولت اور مرتبے[1] سے محبت اس کے دین میں اس چیز سے زیادہ تباہ کر ڈالتی ہے جیسے دو بھوکے بھیڑیے کسی بکریوں کے ریوڑ میں پڑ کر تباہی مچا سکتے ہیں۔

دوسری یہ کہ: "امارت جب تک رہے تو امیر سمجھتا ہے کہ خوب مزے ہیں لیکن اس کا انجام برا ہوتا ہے۔

تیسری یہ کہ: "امارت ایک عظیم ذمہ داری ہے اور قیامت کے دن ذلت اور ندامت کا باعث بنے گی۔ اِلّا یہ کہ کسی نے اس کی ذمہ داریوں کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہو۔"

اب ہم ان ارشادات کے تحت خلفائے راشدین کا تعامل دیکھیں تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ سے کسی نے بھی امارت کی خواہش نہیں کی۔

حضرت علیؓ نے جس وقت اس کی خواہش کی اس وقت انھیں ملی نہیں اور جب وہ خلافت قبول کرنے پر تیار نہ تھے تب یہ انھیں سونپ دی گئی۔

حضرت ابوبکرؓ نے بیعت عام کے بعد مسجد نبوی میں جو پہلی تقریر فرمائی، اس میں امارت کی ذمہ داریوں کا بوجھ محسوس کر کے اسے ناپسند فرمایا:

"میں آپ لوگوں پر حکمران بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں آپ کا سب سے بہتر آدمی نہیں

---

[1] طلب جاہ کا امام فرعون اور طلب مال کا امام قارون تھا۔

جوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے یہ منصب اپنی رغبت اور خواہش سے نہیں لیا ہے۔ نہ یہ میں چاہتا تھا کہ کسی دوسرے کی بجائے یہ مجھے ملے۔ نہ میں نے کبھی خدا سے اس کے لیے دعا کی۔ نہ میرے دل میں کبھی اس کی حرص پیدا ہوئی۔ میں نے تو اسے بادلِ ناخواستہ اس لیے قبول کیا ہے کہ مجھے مسلمانوں میں فتنۂ اختلاف اور عرب میں فتنۂ ارتداد برپا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ میرے لیے اس منصب میں کوئی راحت نہیں ہے بلکہ یہ ایک بارِ عظیم ہے جو مجھ پر ڈال دیا گیا ہے جس کے اٹھانے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ الّا یہ کہ اللہ ہی میری مدد فرمائے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ میرے بجائے کوئی اور یہ بار اٹھائے۔ اب بھی اگر آپ لوگ چاہیں تو اصحابِ رسول میں سے کسی اور کو اس کام کے لیے چن لیں۔ میری بیعت آپ کے راستے میں حائل نہ ہوگی ..........." (السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۴۹۳، کنز العمال ج ۵ احادیث نمبر ۲۲۶۱، ۲۲۶۴، ۲۲۶۸، ۲۰۹۱، ۲۲۹۹)

اور حضرت عمرؓ یہ فرمایا کرتے تھے۔ جب یومِ فتح خیبر سے پہلی شام جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں کل صبح اس مستحق کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا۔" اس رات بہت سے صحابہ کبار کو یہ آرزو تھی کہ شاید کل اسے ہی یہ جھنڈا مل جائے اور یہ جھنڈا حضرت علیؓ کے نصیب میں تھا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بس اس ایک دن کے علاوہ مجھے کبھی امارت کی خواہش نہیں ہوئی۔ (بخاری۔ کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر)

اور جب آپ سے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ نامزد کرنے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا:

"ہمیں تمہارے معاملات کی کوئی خواہش نہیں۔ اگر یہ خلافت اچھی چیز تھی تو اس کا مزہ ہم نے چکھ لیا اور اگر یہ بری چیز تھی تو عمر کے خاندان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کل کو خدا کے سامنے ان میں سے صرف ایک آدمی سے ہی حساب لیا جائے گا۔
(بخاری۔ باب الاستخلاف)

## طلبِ امارت کے دلائل

ان تصریحات کے بعد ایک مسلمان کے لیے تو اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی لیکن

جمہوریت پرستوں نے یہاں بھی بہت سی جولانیاں دکھائی ہیں اور مندرجہ ذیل آیات سے طلب امارت کی درخواست یا آرزو ثابت کی ہے:

**پہلی دلیل**

حضرت یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر سے درخواست۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ (۱۲/۵۵)

ترجمہ۔ یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے کہا: اس ملک کے خزانوں پر مجھے مقرر کر دو کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ طلب عہدہ کی درخواست نہیں تھی۔ اقتدار تو انھیں پہلے سے بن مانگے ہی مل چکا تھا۔ اس سے پہلی آیت اس طرح ہے:

قَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ (۱۲/۵۴)

بادشاہ نے کہا۔ یوسف کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے لیے مخصوص کر لوں۔ جب یوسفؑ نے اس سے گفتگو کی تو کہنے لگا۔ آج سے آپ ہمارے نزدیک قدر و منزلت رکھتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قال اجعلنی علی خزائن الارض کہنے سے مراد وزارت مالیات کی درخواست نہیں تھی بلکہ آپ نے مکمل اقتدار کا مطالبہ کیا تھا جو حالات کی نزاکت کے پیش نظر فرعون کو ماننا پڑا۔ جس کے بعد فرعون مصر کی بادشاہت ختم ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ اس سے اگلی آیت یوں ہے:

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ (۱۲/۵۶)

اسی طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار بخشا۔ وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔

چنانچہ اس تبدیلیٔ اقتدار کے بعد قرآن نے پہلے فرعون مصر کو کبھی مَلِک کے لفظ سے یاد نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہستی ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کے بعد مَلِک کا لفظ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا ایک نبی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ ایک کافرانہ حکومت کا کل پرزہ بن کر اس کی چاکری گوارا کرے۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسی ملازمت کی خواہش ہوتی تو اس طرح کے موقعے تو وہ اس سے پہلے بھی پیدا کر سکتے تھے اتنی مدت قید و بند کی سختیاں کیوں جھیلیں؟

**دوسری دلیل**

دوسری آیت جس سے طلب امارت کا جواز پیش کیا جاتا ہے وہ یہ دعا ہے جو مسلمانوں کو سکھلائی گئی ہے :۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۲۵/۴)

اے خدا تو ہمیں متقین کا امام بنادے۔

کہا جاتا ہے کہ "متقین کی امامت اسلامی مملکت میں ایک بلند ترین منصب ہے جب دعا کے ذریعے اس کی خواہش کی جاسکتی ہے تو دوسرے مناصب کو کس طرح شجر ممنوعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔"

اس کا جواب ہم اپنی طرف سے نہیں دیتے بلکہ تفہیم القرآن کے حاشیہ پر ہی اکتفا کریں گے

"یعنی ہم تقویٰ اور طاعت میں سب سے بڑھ جائیں۔ بھلائی اور نیکی میں سب سے آگے نکل جائیں۔ محض نیک ہی نہ ہو بلکہ نیکوں کے پیشوا ہوں اور ہماری بدولت دنیا بھر میں نیکی پھیلے۔ اس چیز کا ذکر بھی یہاں دراصل یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت اور شوکت و حشمت میں نہیں بلکہ نیکی و پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہمارے زمانے میں کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جنھوں نے اس آیت کو بھی امامت کی امیدواری اور ریاست کی طلب کے لیے دلیل جواز کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ "یا اللہ! متقی لوگوں کو ہماری رعیت اور ہم کو ان کا حکمران بنا دے۔" اس سخن فہمی کی داد "امیدواروں" کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟"

بعض دوسرے لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مملکت کے تمام حکام کا متقی ہونا ضروری ہے۔ اور امیر یا سربراہ تو بہت ہی زیادہ متقی ہونا چاہیے۔ گویا یہ آیت امارت کی اہلیتوں میں سے ایک اہم اہلیت پر دلالت کرتی ہے۔

**تیسری دلیل**

تیسری آیت جس سے استدلال کیا جاتا ہے وہ یوں ہے :۔

وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۔ (۱۷/۸)

اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے ناممکن ہے، اس کے لیے سیاسی اقتدار کے حصول سے کیسے انکار ہو سکتا ہے اور اسلام کی سربلندی،

اقامتِ دین، نفاذ شریعت اور حدود اللہ کے اجراء کے لیے سیاسی اقتدار کے حصول کی خواہش رکھنا جائز ہی نہیں عین مطلوب یہ ہے اور اسی لیے اللہ نے خود یہ دعا حضور کو سکھائی۔ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی ہے جو مکّی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔ جبکہ اسلام ابھی کمزور تھا اور اسلامی ریاست قائم نہیں ہوئی تھی۔ مکّی دور میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی تھی "اے اللہ ہر دو عمر میں سے (عمر بن الخطاب اور عمرو بن الحکم یعنی ابو جہل) کسی ایک عمر کو مسلمان کر کے اسلام کی مدد فرما" چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اسی طرح آیت کا مفہوم واضح ہے کہ یا تو خود مجھے اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اسلام سربلند ہو سکے۔ اور اگر یہی خواہش جاہ طلبی اور مفاد پرستی پر مبنی ہو تو گناہ بن جاتی ہے جیسا کہ بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔ جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات سے جو طلبِ عہدہ کی درخواست کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ حضرت علیؓ کے اس قول سے مناسبت رکھتی ہے جو آپ نے "تحکیم قرآن" کے سلسلہ میں خوارج کے متعلق کہی۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کلمۃ الحقِّ ارید بہ الباطل یعنی بات سچی ہے لیکن اسے غلط معنی پہنائے جا رہے ہیں۔

## طلب عہدہ سے متعلق احادیث پر اعتراض

ہمارے جمہوریت نواز دوستوں نے یہ انکشاف بھی فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس مقام پر بھی طلب عہدہ سے منع کیا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس شخص کو کسی نہ کسی پہلو سے اس کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر صرف ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو یہ ہے:

یا ابا ذرٍّ انک ضعیف وانھا امانۃ وانھا یوم القیمۃ خزیٌ وندامۃ

الا من اخذ بحقھا وادی الذی علیہ (مسلم کتاب الامارۃ)

اے ابوذرؓ! تو ایک ضعیف آدمی ہے اور امارت ایک امانت ہے۔ جو قیامت کو رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگی۔ مگر جس نے اس کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھایا۔ اور اس کے سب حقوق ادا کیے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ ارشاد بھی فرما دیا گیا ہے کہ ایسی احادیث جن میں طلب عہدہ سے منع کیا گیا ہے۔ اور خبر واحد کی بنا پر قرآنی آیات و احکام کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ یا اگر

تعارض پیدا ہو تو نص قرآنی کے مقابلہ میں خبر واحد کا ترک اولیٰ ہے۔

امتناع طلب امارت کے متعلق بے شمار صحیح احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے نہایت اختصار کے ساتھ ہم نے صرف پانچ احادیث درج کی ہیں۔ انھیں ایک بار پھر پڑھ لیجیے۔ کہ ان احادیث میں سائل کی کون کونسی کمزوری کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ان احادیث میں جاہ طلبی، اس کی خواہش اور درخواست سے کس شدت سے منع کیا گیا ہے۔

اور یہ خبر واحد کا نکتہ بھی خوب رہا۔ یہ نکتہ اگر دوسرے موضوعات سے متعلق متواتر اور اور صحیح احادیث پر آپ اگر فٹ کرنے لگیں تو شاید ہمارے دین کا حلیہ ہی بگڑ کر کچھ کا کچھ بن جائے۔

اگر اسی طرح پہلے آیات کی من مانی تاویل کر لی جائے۔ پھر احادیث کو خبر واحد قرار دے کر ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے تو پھر بیچارے مرزائیوں کا کیا قصور ہے اور پرویزی کیوں مورد الزام ٹھہرتے ہیں۔ وہ بھی اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کرتے۔ ہم ایک بار پھر یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (۳/۸)

اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ نہ پیدا کر۔

## چند استفسارات اور ان کا جواب

بحث کے آخر میں چند سوالوں کا جواب دینا ضروری ہے پہلا سوال یہ ہے کہ آیا شوریٰ کی رکنیت کوئی منصب ہے بھی یا نہیں۔ اور کیا شوریٰ کے علاوہ دوسرے مناصب مثلاً منصفی، ججی، ڈپٹی کمشنری تحصیلداری، کلرکی، چوکیداری وغیرہ سب کے لیے درخواست دینا ممنوع قرار پائے گی؟

اس سوال میں بڑی ہوشیاری سے غلط مبحث کیا گیا ہے۔ آپ حضرات تو اسمبلی کی وکالت کر رہے ہیں لہٰذا بات بھی اسی کی ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فی الواقعہ ایک منصب ہے۔ اسمبلی کے ارکان قومی خزانہ سے تنخواہ اور کئی طرح کے الاؤنس وصول کرتے ہیں۔ نیز ان سے حلف وفاداری بھی لیا جاتا ہے[۱]۔ کیا پھر بھی اس کے منصب ہونے میں کوئی شک رہ جاتا ہے۔ رہا شوریٰ کی رکنیت کا مسئلہ تو بلا خوف ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک منصب[۲] ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ خلافت ایک منصب ہے۔

---

۱؎ تحریک آزادی و دستور پاکستان از فاروق اختر نجیب ص ۵۲

۲؎ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے (باقی اگلے صفحہ پر)